© rasailojaraid.com

دارالافتاء

مولانا عزیز زبیدی مادبرگنی

استفتاء

(ا) ارشادِ ربانی ہے خُذِ الْعَفْوَ مگر سوشلسٹ اس کے برعکس یوں تاویل کرتے ہیں کہ جو کچھ وافر ہے سب لے لو۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

(ب) بے نماز یا غیر دیندار سیاسی لیڈر کو اپنا لیڈر بنانا کیسا ہے؟

(ج) مسلمان اور اسلام کے دعویدار اَن گنت، اسلام کے نعرے بھی بہت لگائے جاتے ہیں اس کے باوجود ہم تنزّل کا شکار ہو رہے ہیں کیوں؟

کہا جاتا ہے (نعوذ باللہ) اسلام پرانا ہو چکا ہے ورنہ ہم ذلیل و خوار نہ ہوتے۔ اس کی وجوہات تحریر فرمائیں۔

الجواب

(۱) عفو اور سوشلزم۔ جو نام نہاد مسلمان سوشلزم پر ایمان رکھتے ہیں وہ برائے نام اسلام کا نام لیتے ہیں یعنی کاروباری حد تک۔ الا ماشاء اللہ! اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ ان کو سارے قرآن میں صرف یہی دو آیتیں نظر آتی ہیں، اور وہ بھی صرف اس لیے کہ کسی طرح اس قرآنی منتر کے ذریعے "خداوندان سوشلزم" تک ان کو رسائی حاصل ہو سکے اور مسلمانوں کے حلقوں میں وہ اچھوت ہو کر نہ رہ جائیں۔ اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ ان "جعلی ساداتیوں" کی کوشش یہ بھی ہوتی ہے، کہ کسی طرح ان کے پیٹ کا دھندا دوسروں سے بڑھ کر کامیاب رہے۔ گویا کہ یہ لوگ جس "بدنام ازم" کا نعرہ لگاتے ہیں، اس میں بھی وہ مخلص نہیں ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ سوشلسٹ قادیانیوں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ انھوں نے جن کو یہ تشریعی اختیارات دے رکھے ہیں وہ خدا کے بھی منکر ہیں۔ غلام احمد مرزا کم از کم خدا کو تو مانتا تھا۔ گو وہ ترنگ میں آکر خود بھی خدا بن جاتا تھا، تاہم اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی ضرورت اور وجود کا قائل تھا۔ کارل مارکس، لینن اور ہیگل وغیرہ تو خدا کی ضرورت کے بھی قائل نہیں تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گویا بات کر دی ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ، ملکی آئین کی رُو سے بلکہ خود ان ترمیمات کی رُو سے بھی جو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا موجب بنیں، قادیانیوں کی طرح ان سوشلسٹوں کو بھی "غیر مسلم اقلیت" قرار دیا جانا چاہیے اور جس طرح ان کی جماعت، کو خلاف قانون قرار دیا گیا ہے، اسی طرح ان کی "سوشلزم" کی تبلیغ پر بھی پابندی عاید کی جائے۔ لیکن سُنا ہے، جب جناب بھٹو روس کے دورہ پر تشریف لے گئے ہیں، صدرِ مملکت نے ایک آرڈیننس کے ذریعے سوشلزم کی تبلیغ کے لیے گنجائش پیدا کر دی ہے۔ کیوں؟ عیاں را چہ بیاں!

بہرحال یہ تحریک روحِ اسلام کے خلاف ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ۔ پہلے تو اس کے وہ معنی نہیں جو وہ کرتے ہیں۔ اصل اس کے معنی ہیں کہ، درگزر کیجیے! یعنی درگزر کرنا شیوہ بنا لیجیے! حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ف ۷۳ھ) فرماتے ہیں:

امر اللہ نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یأخُذَ الْعَفْوَ من اخلاق الناس اوکما قال۔

(بخاری کتاب التفسیر باب قولہ خذ العفو)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے کہ: لوگوں کی عادات کے بارے میں "عفو" (درگزر کا شیوہ) اختیار فرمائیں۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب آیت خذ العفو وامر بالعرف نازل ہوئی تو آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس کا مفہوم دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا، رب سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ پھر آ کر بتایا کہ آپ کا رب آپ سے فرماتا ہے کہ، جو آپ سے توڑے، آپ اس سے جوڑیں، جو آپ کو نہ دے، آپ اس پر داد و دہش فرمائیں اور جو آپ سے زیادتی کرے آپ اس سے درگزر کیا کریں۔"

ان ربک یامرک ان تصل من قطعک و تعطی من حرمک و تعفوا من ظلمک (فتح الباری کتاب التفسیر باب خذ العفو ص ۳۰۶ ج ۸ بحوالہ ابن مردویہ)

اس سے جو اگلی آیت ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نزغ فاستعذ باللہ (اعراف ع ۲۴) (یعنی اگر شیطان کی تحریک پر آپ کے دل میں (انتقام کی) تحریک پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو)

لیکن یہ معنی ایک سوشلسٹ کے لیے قابلِ قبول نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ اختلافِ رائے کو برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ درگزر کہاں؟

جن اکابر (مثلاً ابنِ عباسؓ) نے اس کے معنی "مالِ زائد" کے لیے ہیں ان کے متعلق مفسرین مثلاً سدی (ف ۱۲۷ھ) ضحاک (ف ۱۰۵ھ) عطاء (ف ۱۱۵ھ) ابو عبیدۃ (ف ۲۱۰ھ) فرماتے ہیں، یہ حکم نزولِ زکوٰۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پہلے کا تھا وَاَسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ سے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ تک کا ٹکڑا چھوڑ کر باقی ساری سورۂ اعراف مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے اور معروف معنی میں زکوٰۃ کا حکم ۲ھ میں نازل ہوا ہے۔ اس سے پہلے زکوٰۃ کا لفظ صدقہ و خیرات کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا اس لیے وہ فرماتے ہیں، نزولِ زکوٰۃ کے بعد خُذِ الْعَفْوَ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے لیکن امام طبری (ف ۳۱۰ھ) پہلے معنی کو ترجیح دیتے ہیں (فتح الباری ص ۲۰۵، ۲۰۶ ج ۸)

ہاں سورۂ بقرہ جس میں آیت يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ہے مدنی ہے اور ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے لیکن یہ ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ میں بالکل ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی ہے۔

البقرة جميعها مدنية بلا خوف وهي من اوائل ما نزل بها (ابن کثیر ص ۳۵ ج ۱ سورۃ بقرہ)

زکوٰۃ کا نزول اس سے کہیں بعد نازل ہوا یعنی ۲ھ میں۔ اس لیے جن بزرگوں نے "قُلِ الْعَفْوَ" کو منسوخ قرار دیا ہے اس کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے۔

حضرت مجاہد (ف ۱۰۳ھ) فرماتے ہیں زکوٰۃ کا حکم اس کا ناسخ نہیں بلکہ اس اجمال کی تفصیل ہے، یعنی عفو سے مراد مالِ نصاب ہیں جو شرح زکوٰۃ مقرر ہے وہ ہے۔ وقال آخرون: مع ذلك الصدقة المفروضة (ابن جریر ص ۳۶۵ ج ۲) وقيل مبينة باية الزكوٰة قاله مجاهد وغيره (ابن کثیر ص ۲۵۶ ج ۱ و جامع البیان ص ۳۳)

حضرت ربیع بن انس (ف ۱۴۰ھ) اور قتادہ بن دعامہ (ف ۱۱۷ھ) فرماتے ہیں۔ اس سے مراد سب سے عمدہ اور بہتر مال ہے۔ افضل مالك واطيبه (ابن جریر ص ۳۶۴ ج ۲)

ابن ابی حاتم (ف ۳۲۷ھ) نے اس کی جو شانِ نزول بیان کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے

حضرت معاذ (ف ۱۸ھ) اور حضرت ثعلبہ (ف ۔۔ھ) حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ:

حضور ہمارے پاس غلام بھی ہیں اور نفیس مال بھی، اس پر آیت مذکور نازل ہوئی۔

يحيي انه بلغه ان معاذ بن جبل وثعلبة اتيا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقالا يا رسول الله ان لنا ارقاء واهلين من اموالنا فانزل الله: يسئلونك ماذا ينفقون۔ (ابن کثیر ص ۲۵۶ ج ۱)

صاحب لباب النقول نے ابن ابی حاتم سے بہ روایت سعید اور عکرمہ حضرت ابن عباس سے یہ الفاظ بیان کیے ہیں:

ان نفراً من الصحابة حين امروا بالنفقة فى سبيل الله اتوا النبى صلى الله عليه وسلم فقالوا الا ندرى ما هذه النفقة التى امرنا فى اموالنا فما ننفق منها فانزل الله الاية۔

جب اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کو کہا تو صحابہ کی ایک جماعت حضور کی خدمت میں آئی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ہم اپنے مالوں میں سے کیا خرچ کریں تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

گویا کہ اس کے یہ معنی نکلے کہ: آپ کو جو مال زیادہ بہتر معلوم ہو، وہ خدا کی راہ میں دو۔ فہو المراد۔ قرآن حکیم بھی اسی بات کی سفارش کرتا ہے؛

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ رپ۴۔ آل عمران۔ ع۱)

(لوگو!) جب تک آپ وہ مال خرچ نہیں کیا کریں گے۔ اس وقت تک، نیکی تک آپ کو رسائی حاصل نہیں ہوگی جو آپ کو پیارا ہے۔

چنانچہ اس آیت کے نزول پر حضرت ابو طلحہ انصاریؓ (ف ۳۴ھ) حضرت عمرؓ (ف ۲۳ھ) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ (ف ۷۳ھ) نے اپنی عزیز ترین چیزیں خدا کے حضور پیش کر کے تعمیل کی (ابن کثیر ص ۳۸۱/۱)

اعراب: "قُلِ الْعَفْوُ" کے اعراب میں اختلاف ہے، بعض امام "الْعَفْوَ" یعنی "واوٗ" پر زبر پڑھتے ہیں اور کچھ حضرات اس پر پیش پڑھتے ہیں۔ مگر امام ابن جریر فرماتے ہیں جمہور کا مسلک پہلا ہے اور وہی صحیح ہے۔ فرماتے ہیں اس صورت میں اس کے معنی یوں ہوں گے۔

يَسْئَلُوْنَكَ اَيَّ شَيْءٍ يُّنْفِقُوْنَ؟ قُلِ الَّذِيْ الْعَفْوَ (ابن جریر طبری)

آپ سے پوچھتے ہیں کون سی شے خرچ کریں؟ فرما دیجیے: جو "عَفْوَ" ہو۔

اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے، جو آپ کو عمدہ لگے؟ کیونکہ "اَیُّ" جب استفہام کے لیے ہو تو اس وقت اس سے جنس یا نوع مراد ہوتی ہے (راغب) اس لیے اب سوال یہ نہیں ہوگا کہ کتنا خرچ کیا جائے بلکہ یہ ہوگا کہ "کیسا" خرچ کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ یہ معنی بھی اسی نظریہ کی تائید کرتے ہیں جو حضرت ربیع (ف ۱۴۰ھ) اور حضرت قتادہ (ف ۱۱۷ھ) نے پیش کیا ہے اس لیے یہ سوشلسٹوں کے مکروہ ع۰ائم اور نظریہ کا ماخذ بالکل نہیں بن سکتی۔

اس سے قریب تر قول یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں:

جتنا خوش دلی سے دے سکو، دو، یعنی جو تمہاری طبیعت پر شاق نہ رہے اور دل کو خوش لگے۔ مثلاً حضرت طاؤس بن کیسان خولانی (ف ۱۰۵ھ) حضرت حسن بصری (ف ۱۱۰ھ) اور حضرت عطاء کا بھی یہی قول ہے۔ (ابن جریر ص ۳۶۴/۲)

حضرت امام ابن القیم نے اسی قول کو ترجیح دی ہے (زاد المعاد ص ۱۱۵/۲)

ان یاخذ من الحق الذی علیہم ما طوعت بہ انفسہم و سمحت بہ و سھل علیہم ولم یشق وھو العفو الذی لا یلحقہم ببذلہ ضرر ولا مشقۃ۔

ہمارے نزدیک اس "خوش دلی" کے پیمانے جدا جدا ہیں، کچھ تو واقعۃً زائد مالی ہی خدا کی راہ میں لٹا دیتے

© rasailojaraid.com